بحث و نظر

چند سوال اور اُن کے جواب

امام زہری • مسئلہ فدک • حدیث قرطاس • احادیث صحیحین

(۲)

۷۔ مگر بر بنائے بعض روایات یہ ناراضگی بھی باقی نہیں رہی۔ صدیق اکبرؓ کے طرز عمل اور باہمی افہام و تفہیم کے بعد معاملات درست ہو گئے جیسا کہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً علامہ محب طبری المتوفی ۶۹۴ھ لکھتے ہیں:-

عن الاوزاعی قال بلغنی ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبت علی ابی بکر فخرج ابوبکر حتی قام علی بابہا فی یوم حار ثم قال لا ابرح مکانی حتی ترضی عنی بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل علیہا علی فاقسم علیہا لترضی فرضیت خرجہ ابن السمان فی الموافقۃ[1]۔ اسی سے ملتی جلتی ایک روایت البدایہ والنہایہ (ص ۲۸۹ ج ۵) علامہ عینی حنفی کی شرح صحیح بخاری (ص ۱۲۴ ج ۷) فتح الباری (ص ۱۴۱ ج ۳ طبع دہلی) وغیرہ میں بھی ہے جس کی سند کے متعلق حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ھذا اسناد جید قوی[2]

الہی تصرفات دیکھیے کہ خود شیعی مصنفین کو بھی یہ روایت تسلیم ہے وللہ الحمد[3]

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ ۔ ۔ ۔ ۔ با حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و سائر اہل بیت آں قدر ملاطفت فرمود کہ جبر نقصان آں آزردگیہا شد[4]۔ ان روایات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ کے مطالبہ کے جواب میں صدیق اکبرؓ نے فرمایا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِنَّ اللہَ اِذَا اَطْعَمَ نَبِیًّا طُعْمَۃً ثُمَّ قَبَضَہٗ جَعَلَہٗ لِلَّذِیْ یَقُوْمُ مِنْ بَعْدِہٖ فَرَأَیْتُ اَنْ اَرُدَّہٗ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ۔ قالت فَاَنْتَ وَمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم[5]

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ص ۱۵۷ ج ۱ نیز دیکھیے تحفہ اثنا عشریہ طبع لکھنؤ ص ۲۷۹ [2] البدایہ ص ۲۸۹ ج ۵ [3] نصیحۃ الشیعہ ص ۱۴۶ ج ۲ بحوالہ سلیم بحرانی شرح نہج البلاغہ نیز تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۷۹ [4] ازالۃ الخفا ص ۲۹ ج ۲ [5] البدایہ ص ۲۸۹ ج ۵ بحوالہ مسند امام احمد و اصلہ فی ابی داؤد ص ۱۰۵ ج ۳ مع العون۔ ترمذی کما ذکرہ الحافظ فی الفتح ص ۱۴۱ ج ۳۔

تو آپ نے تسلیم کر لیا فی لفظ انت ورسول اللہ اعلم ورجعت خرجہ ابن السمان فی الموافقۃ[1] یعنی حضرت فاطمہ یہ فرما کر کہ "آپ جانیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" واپس گھر تشریف لے گئیں

ابن کثیر کی تحقیق | حافظ ابن کثیرؒ نے ایک اور طریقے سے بھی ان تاریخی روایات پر تحقیقی گفتگو کی ہے جس کی روشنی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے۔ آپ حضرت فاطمہ کی وفات کے ذکر میں لکھتے ہیں و لما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألت من ابی بکر المیراث فاخبرھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ" فسألت ان یکون زوجھا ناظرا علی ھذہ الصدقۃ فابی ذلک وقال انی اعول من کان رسول اللہ یعول وانی اخشی ان ترکت شیئا مما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعلہ ان اضل و واللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی فکانھا وجدت فی نفسھا من ذلک فلم تبغضہ مدۃ حیاتھا فلما مرضت جاءھا الصدیق فدخل علیھا فجعل یترضاھا وقال واللہ ما ترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ اللہ ومرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اھل البیت فرضیت رضی اللہ عنھا رواہ البیھقی عن الشعبی وھذا مرسل حسن باسناد صحیح[2]۔ یعنی فاطمہؓ نے اپنے مطالبہ میراث کے جواب میں صدیق اکبرؓ سے حدیث سن کر یہ چاہا کہ ان اموال کی تولیت ہی کم از کم حضرت علیؓ کے سپرد کر دی جائے مگر صدیق اکبرؓ نے اس انداز کی تقسیم کو بھی منشائے نبوی کے خلاف سمجھتے ہوئے قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا تو یہ معقول عذر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک طرح سے بار ہوا تاہم صدیق اکبرؓ بنفس نفیس حضرت زہراؓ کے پاس — ان کے ایام مرض میں — تشریف لے گئے۔ اور ان کو راضی کر لیا

اس رضامندی کی ایک اہم دلیل وہ وصیت ہے جو حضرت فاطمہؓ نے مرض الموت میں فرمائی کہ "حضرت اسماء بنت عمیسؓ — صدیق اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ — آپ (حضرت فاطمہ) کے غسل دینے میں شریک ہوں" اور یہ کہ "ان کے مشوروں پر عمل کیا جائے" ولما ان حضرتھا الوفاۃ اوصت الی اسماء بنت عمیسؓ — امرأۃ الصدیق — ان تغسلھا[3]

غور کیجئے یہ ہے ان پاک نفوس کا طرز معاشرت —! اور ایک یہ لوگ ہیں کہ چودھویں صدی تک ان میں "منافرت" کے افسانوں کو ہوا دیتے چلے آ رہے ہیں

رفع تعارض | مذکورہ روایتوں کا حضرت عائشہؓ کے ان الفاظ سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری میں وارد ہے

[1] الریاض النضرہ ص ۱۷۰ ج اول [2] البدایہ ص ۲۳۳ ج ۶ [3] البدایہ ص ۳۳۳ ج ۶ والاستیعاب ص ۷۵۱ ج ۲ طبع حیدر آباد دکن۔

فھجرت ابابکر فلم تزل مھاجرته حتی توفیت (صحیح بخاری باب فرض الخمس)

مگر یہ ظاہری تعارض بآسانی یوں رفع ہو سکتا ہے کہ یہ "ہجران" صرف اس مطالبے کے بارے میں تھا مطلب یہ کہ حدیث سننے کے بعد آپ نے مطالبہ چھوڑ دیا۔ فتح الباری میں ایک روایت کے لفظ یوں نقل ہوئے ہیں۔ فلم تکلمہ فی ذلک المال - یعنی "اس مال" کے بارے میں گفتگو ترک کر دی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو صدیقؓ و زہراءؓ کے معاملات کے درست ہونے کا علم نہ ہو سکا اور انہوں نے یہی سمجھے رکھا کہ یہ ناراضگی آخر تک رہی خصوصاً ابن کثیر کی توجیہ کی بناء پر ان وجوہ تطبیق کے بعد کسی روایت کی تغلیط کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اور نہ ہی کسی صحابیؓ پر کوئی حرف آتا ہے فللّٰہ الحمد

۸ - اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے۔ جو کیرہ کے یہ دوست عجیب مغالطوں کا شکار ہو گئے۔ ان کو صحیح بخاری کی روایت کا صحیح مطلب سمجھ میں نہ آیا تو پریشان ہو گئے۔ ادھر آپ نے کہیں سے سن پایا کہ اللآلی المصنوعۃ میں دو کاذبوں کا اعتراف کذب نقل کیا گیا ہے پھر جامع الاصول سے یہ نقل کہیں دیکھ لی کہ یہ کذب "فدک" کے متعلق تھا بس آپ نے یہ قرار دیکر "پریشانی" دور کرنے کی کوشش کی کہ ہو نہ ہو فدک والی یہ گھڑی ہوئی روایت صحیح بخاری ہی کی ہوگی۔ اور یہی اس اعتراف کذب کا مصداق۔ پس صحیح بخاری کی یہ روایت (معاذ اللہ) موضوع ہے ــــ دیکھیے ان ظنون فاسدہ ظلمات بعضہا فوق بعض سے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی گئی - حالانکہ "وہاں فدک" سے مراد وہ دوسری طویل روایت ہے، جو بہ تحقیق محدثین و شہادت عقل یقیناً موضوع اور گھڑی ہے وہ دلچسپ کہانی یہ ہے :- عن علی بن اسباط قال لما ورد ابوالحسن موسیٰ علی المھدی راٰہ یرد المظالم فقال یا امیر المومنین! ما بال مظلمتنا لا ترد؟ فقال لہ وما ذاک یا ابا الحسن؟ قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لما فتح علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک وما والاھا لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم (وآت ذا القربی حقہ) فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھم فراجع فی ذلک جبرئیل وراجع جبرئیل علیہ السلام ربہ فاوحی اللہ الیہ ان ادفع فدک الی فاطمۃ علیہا السلام فدعاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہا یا فاطمۃ ان اللہ امرنی ان ادفع الیک فدک فقالت قد قبلت یا رسول اللہ من اللہ ومنک فلم یزل وکلاؤھا فیہا حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما ولی ابوبکر اخرج عنہا وکلاءھا فاتتہ فسألتہ ان یردھا فقال لہا ائتینی باسود او احمر یشھد لک بذلک فجاءت بامیر المومنین علیہ السلام وام ایمن فشھدا لھا فکتب لہا بترک التعرض فخرجت والکتاب معہا فلقیہا عمر فقال

ماهذا معك يا بنت محمد؟ قالت كتاب كتبه لي ابن ابي قحافة قال ارينيه فابت فانتزعه من يدها ونظر فيه ثم تفل فيه ومحاه وخرقه فقال لها هذا لم يوجف عليه ابوك بخيل ولا ركاب فضعي الحبال في رقابنا فقال له المهدي يا ابا الحسن حدها لي فقال حد منها جبل احد وحد منها عريش مصر وحد منها سيف البحر وحد منها دومة الجندل فقال له كل هذا؟ قال نعم يا امير المومنين هذا كله ان هذا مما لم يوجف على اهله رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيل ولا ركاب فقال كثير وانظر فيه[1] اھ۔

اس کہانی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی کو فدک تو اسی وقت ہبہ کر دیا گیا تھا جب آیت وآت ذا القربی حقہ نازل ہوئی مگر ابوبکرؓ و عمرؓ نے آپ سے چھین لیا وغیرہ وغیرہ

اگر اللآلی المصنوعہ کا بیان کردہ واقعہ درست مان لیا جائے تو وہ یہی فدک والی کہانی ہے جسے جاحظ اور ابو العیناء نے "شیوخ بغداد" کے ذریعے رواج دینے کی کوشش کی مگر بحمد اللہ محدثین نے تاڑ لیا اور ان کی تحقیق و بصیرت نے فیصلہ کیا کہ یہ کہانی من گھڑت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں عن ابی سعید قال لما نزلت آت ذا القربی حقہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة فاعطاها فدك . . . وهذا الحديث مشكل لان الاية مكية وفدك انما فتحت خيبر سنة سبع من الهجرة فكيف يلتئم مع هذا فهو اذاً حديث منكر والاشبه انه من وضع الرافضة[2] اھ

اس افسانے کے متعلق یہی رائے حافظ سیوطی[3] اور شاہ عبد العزیز[4] کی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اس کے بطلان پر نقلی اور عقلی طور پر مفصل بحث فرمائی ہے[5]

اللآلی المصنوعہ کی یہ عبارت پیش کرتے وقت ان صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ صحیح بخاری کی حدیث لا نورث الخ کو خود مصنف اللآلی المصنوعہ[6] نے اسی کتاب میں صحیح تسلیم کیا ہے جس کا حصہ متنازعہ فیہ الفاظ ہیں۔ سوچا ہوتا کہ صحیح بخاری کی حدیث اس عبارت کا مصداق کیسے ہو سکتی ہے ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور —!

۹۔ رہی حدیث قرطاس تو اس کی صحت بالکل غیر مشتبہ ہے۔ صحیحین کے علاوہ بھی وہ متعدد سندوں سے مختلف کتابوں میں مروی ہے اور جہاں تک تتبع کیا گیا ہے اہل سنت میں اس کی صحت و استناد مسلم و متفق علیہ ہے —!

---

[1] اصول کافی ص ۵۴۳ ج ۱ طہران طبع جدید [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۶ ج ۳ نیز یہ روایت فضیل عن عطیۃ آئی ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے فضیل یروی الموضوعات [3] لباب النقول ص ۱۴۷ [4] فتاوی عزیزی (اردو) ص ۲۱۲ ج ۲ [5] منہاج ص ۱۶۶-۱۶۹ ج ۲ و ایضا ص ۱۳۷ ج ۳ [6] ص ۵۸۰ طبع لکھنو

اہم بحث متعلقہ احادیث صحیحین

۱۰۔ صحیحین میں مروی احادیث کے متعلق اہل حدیث اور ائمہ سنت کا موقف یہ ہے کہ ان میں کی ہر حدیث من حیث المجموع قطعی اور یقینی طور پر صحیح ہے جیسا کہ امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائنی المتوفی ۴۰۸ھ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اھل العلم مجمعون علی ان الاخبار التی اشتمل علیھا الصحیحان مقطوع بصحۃ اصولھا ومتونھا ولا یحصل الخلاف فیھا بحال وان حصل فذاک فی طرقھا ورواتھا انتہی[1] یعنی فن حدیث کے ماہرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحیحین کے سب ہی اصول ومتون قطعاً صحیح ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو روایات کی سندوں اور راویوں کے اعتبار سے ہے، امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی المتوفی ۴۷۸ھ کا بھی یہی کہنا ہے اجمع علماء المسلمین علی صحتھما[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں واھل الحدیث یعلمون صدق متون الصحیحین من شرکھم فیھا علم ما علموہ و من لم یشرکھم لم یعلم ذلک[3]

اس رائے کو ہمارے دور کے سرخیل علمائے حنفیہ مولانا سید انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی نے بھی تسلیم کیا ہے[4]

اس اجماعی اور متفقہ فیصلے کے معقول ہونے کے متعدد وجوہ ہیں مثلاً

- احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ان دونوں اماموں کے زمانے میں حفظاً وکتابۃً مشہور و متداول تھا جس سے انہوں نے دونوں کتابیں مدون فرمائیں[5]
- بنابریں ان کے سامنے اصول ومتون بکثرت سندوں کے ساتھ موجود تھے اور ان اسناد کے راویوں کے حالات بھی خاصی تفصیل سے ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے انہوں نے خوب چھان پھٹک کر متن کو دیکھا، باریک سے باریک علت کی ٹوہ لگائی۔ اسباب جرح کو معلوم کیا۔ اس تدقیق و محنت کے بعد ان کو صحت کا یقین ہوا تو جب درج فرمایا۔ مولانا سید انور شاہ مرحوم دیوبندی ایک تحقیقی تحریر میں فرماتے ہیں الذین دونوا الحدیث لم یکتفوا بطریق واحد حتی مارسوہ بطرق متعددۃ وتتبعوہ عن مشائخ متفرقۃ من کذا بکذا فلق الصبح فھو انھم کانوا یعرفون محالہ ومظانہ فاذا اجمعوا الطرق والاسانید انکشفت لھم العلل واسباب الجرح کلھا فلم یدونوہ الا بعد ما حققوہ ومارسوہ اھ[6]
- اپنے زمانہ کے ماہرین فن حدیث کے ساتھ ان کے متعلق تبادلہ خیال کیا جن میں ان کے مشاہیر اساتذہ بھی تھے قال ابو جعفر العقیلی لما صنف البخاری کتاب الصحیح عرضہ علی ابن المدینی واحمد بن حنبل ویحیی بن معین وغیرھم فاستحسنوہ وشھدوا لہ بالصحۃ الا اربعۃ احادیث قال العقیلی والقول فیھا قول البخاری وھی صحیحۃ[7] امام مسلم کا اپنا بیان ہے

حتی تبین لھم صدقہ من کذبہ

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث از سخاوی ص ۱۹ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۴ ج ۱ [2] مرقات ص ۲۴ ج ۱ [3] منہاج ص ۱۱۳ ج ۴ ایضاً فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۰۹ ج ۱ [4] مقدمہ فیض الباری ص ۴۵ و فیض الباری ص ۵۰۶ ج ۴ [5] مقدمۃ الفتح وغیرہ [6] فیض الباری ص ۳۳۱ ج ۳ [7] مقدمۃ الفتح ص ۲۰۳ ج ۲

انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ[1]۔ ایک دفعہ یہ بھی کہا عرضت کتابی ھذا علی ابی زرعۃ الرازی فکل ما اشار ان لہ علۃ ترکتہ[2] وکل ما قال انہ صحیح خرجتہ[3]

• ان بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ خوب خوب گہرے مذاکرات کے بعد ان کتابوں کو آخری شکل دی گئی ہے۔!

دونوں اماموں کی فن حدیث سے والہانہ شیفتگی، اس میں شب و روز کا انہماک، معرفت علل حدیث میں درجہ امامت وسعت حفظ، مجتہدانہ بصیرت، دیانت، امانت، تقوی وغیرہ اوصاف جمیلہ و اخلاق عالیہ پر ان کے نہ صرف معاصرین ہی کا ملکہ بعد کے محققین ائمہ حدیث کا بھی اتفاق ہے۔ چنانچہ قطعیت احادیث کے بحث کے دوران میں اسی امر کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے منھا جلالتھما فی ھذا الشان وتقدمھما فی تمییز الصحیح علی غیرھما[4] نیز مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں بھی ایسے اقوال کافی ذکر کئے گئے ہیں۔

• جن اصول و قواعد کی روشنی میں احادیث اور ان کے راویوں کو جانچا پرکھا گیا ہے وہ سب قرآن حکیم ہی سے مستنبط ہیں جیساکہ امام شافعی کے الرسالہ اور امام مسلم کے مقدمہ الصحیح وغیرھما سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قواعد بڑے مضبوط ہیں اور ان کی رہنمائی اعتماد و استناد کی ضمانت ہے۔

• ان دونوں مبارک کتابوں کی تدوین کے بعد سینکڑوں محدثین کی نظریں ان ہی کی خدمت پر مرکوز ہو گئیں۔ ان کے معیار صحت اصول تحقیق ایک ایک سند ہر سند کے راویوں کی ہر طرح کی تفتیش، راویوں کے طریق ادائے روایت پھر ایک ایک متن، ہر متن کے سب الفاظ کی ٹھیک ٹھیک تعیین، روایت بالمعنی پر کڑی نگرانی وغیرہ قسم کے امور پر اجتماعاً و انفراداً بحثیں کیں، جانچا، پرکھا اور علی وجہ البصیرت تصحیح احادیث میں ان دونوں جلیل القدر مصنفوں کی سرنبے تصدیق کردی۔ یہ عمل قریباً دو صدیاں جاری رہا مزید برآں یہ دور خالص حدیثی تحقیق کا دور ہے۔ جب سینکڑوں متون ہزاروں اسانید کے ساتھ ائمہ فن کو حفظ ہوتے تھے اور رواۃ حدیث کی واقفیت قرب زمانہ کی وجہ سے بہت وسیع تھی صرف کتابوں ہی پر اعتماد نہ تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں قولنا رواہ البخاری ومسلم علامۃ لنا علی صحتہ لا انہ کان صحیحا بمجرد روایۃ البخاری ومسلم بل احادیث البخاری ومسلم رواھا غیرھما من العلماء والمحدثین من لا یحصی عددہ الا اللہ ولم ینفرد واحد منھما بحدیث بل ما من حدیث الا وقد رواہ قبل زمانہ وبعد زمانہ طوائف ولو لم یخلق البخاری ومسلم لم ینقص من الدین شیٔ وکانت تلک الاحادیث موجودۃ باسانید یحصل بھا المقصود وفوق المقصود والتصحیح لم یقلد ائمۃ الحدیث فیہ البخاری ومسلما بل جمہور ما صححاہ کان قبلھما عند ائمۃ الحدیث صحیحاً متلقی

---

[1] صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱ طبع دہلی [2] مقدمۃ الفتح ص ۳۸۲ ج ۲ [3] مقدمہ شرح مسلم نووی ص ۱۳ [4] نزہۃ النظر ص ۱۸ طبع مجتبائی

بالقبول وكذلك في عصرهما وكذلك بعدهما فقد نظر ائمة هذا الفن في كتابيهما ووافقوهما على صحة ما صححاه الا مواضع يسيرة ۔۔۔ الى قوله ۔ والمقصود ان احاديثهما نقدها الائمة الجهابذة قبلهم وبعدهم ورووها خلائق لا يحصي عددهم الا الله فلم ينفردا الا بروايته ولا بتصحيحه انتهى تلخيص[1] حاصل یہ کہ صحیحین کی حدیثیں دوسری سے چوتھی صدی ہجری تک کے ائمہ حدیث وسنت کی مصدقہ و مصححہ ہیں ۔ !

۱۱ ۔ یہ بات غلط ہے کہ محدثین نے صحیحین کی اتنی اور اتنی حدیثوں کو ضعیف کہا ہے شاید علم حدیث اور اس کے فن کی باریکیوں سے ناواقف لوگوں کو حافظ ابن الصلاحؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے بعض بیانوں سے دھوکہ ہوا ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ اول الذکر نے اپنی مشہور و متداول کتاب علوم الحدیث میں یہ فیصلہ دینے کے بعد کہ اہل العلم بالحدیث کے اجماع و اتفاق کی بنا پر صحیحین کی حدیثیں قطعاً صحیح ہیں ۔ اس سے چند ان روایات کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن پر بعض ماہرین حدیث (چوتھی صدی ہجری کے مسلمہ امام حافظ دارقطنی وغیرہ) نے فنی حیثیت سے تنقیدی نظر ڈالی ہے جس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ان روایات کی صحت کا وہ اعلیٰ درجہ نہیں جو صحیحین کی غیر منتقدہ احادیث کا ہے ۔ کیونکہ ان دونوں کے جس اعلیٰ معیار صحت کا اندازہ کیا گیا ہے اس پر وہ پوری نہیں اترتیں ۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ حدیثیں ضعیف ، مشکوک اور مسترد کر دینے کے قابل ہیں ۔

اس سلسلے میں ان کی اپنی اور اہل فن کی تصریحات حسب ذیل ہیں :۔

علوم الحدیث میں صحیحین کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں اولها صحيح اخرجه البخاري ومسلم جميعاً الثاني صحيح انفرد به البخاري الثالث انفرد به مسلم ... واعلاها الاول وهو الذي يقول فيه اهل الحديث كثيرا، صحيح متفق عليه يطلقون ذلك ويعنون به اتفاق البخاري ومسلم لا اتفاق الامة عليه لكن اتفاق الامة عليه لازم من ذلك وحاصل معه لاتفاق الامة على تلقي ما اتفقا عليه بالقبول وهذا القسم جميعه مقطوع بصحته ۔ والعلم اليقيني النظري واقع به ۔ ۔ ۔ لان الامة في اجماعها معصومة من الخطأ ولهذا كان الاجماع المبني على الاجتهاد حجة مقطوعاً بها واكثر اجماعات العلماء كذلك وهذه نكتة نفيسة نافعة ومن فوائدها القول بان ما انفرد به البخاري او مسلم مندرج في قبيل ما يقطع بصحته لتلقي الامة كل واحد من كتابيهما بالقبول ۔ ۔ ۔ سوى احرف يسيرة تكلم عليها بعض اهل النقد من الحفاظ كالدارقطني وغيره[2]

علامہ ابوالحسن بن محمد صادق حنفی سندھی بہجۃ النظر میں لکھتے ہیں واما الاحاديث التي انتقدها بعضهم فلا تفيد العلم ولا الحكم عليها بالصحة الواقعية لعدم التلقي بالنسبة اليها وقد حكم المحققون عليها بالصحة الاصطلاحية اھ[3] ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں جميع ما فيه صحيح باعتبار انه حكمه مقبول ليس ما يرد مطلقا الا النادر (مقدمۃ الفتح ص ۱۳ ج اول) حافظ ابن حجر کے معاصر علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں ۔ اعلم ان

[1] منہاج السنۃ ص ۵۹ ج ۴ ۔ [2] مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴ ۔ ۱۵ طبع بمبئی ۔ اسی سے ملتی عبارت بلکہ بعض لحاظ سے اصح مقدمہ شرح مسلم (نووی) ص ۱۴ ج ۱ میں ہے ۔ [3] بہجۃ النظر شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۲۱ طبع لاہور ۔

المختلف فیه من حدیثهما هو الیسیر ولیس ذلك الیسیر مما هو مردود بطریق قطعیة ولا اجماعیة ولیس الاختلاف فیدل علی الضعف ولا یستلزمه[۵۱] ملا محمد معین سندھی اس موضوع پر بڑی مدلل بحث کے اثنا میں لکھتے ہیں ان الصحة المقطوعة اخص من الصحة فی اعلیٰ درجتها عند حذاق الفن وانتفاء الخاص لا یوجب انتفاء العام الی آخر ما قال[۵۲] ۔ عصر حاضر کے محقق مصری صاحب علم علامہ احمد بن محمد بن شاکر لکھتے ہیں۔ ان احادیث الصحیحین صحیحة کلها لیس فی واحد منها مطعن او ضعف وانما انتقد الدارقطنی وغیرہ من الحفاظ بعض الاحادیث علی معنی ان ما انتقدوہ لم یبلغ فی الصحة الدرجة العلیا التی التزمها کل واحد منهما فی کتابه واما الحدیث فی نفسه فلم یخالف احد فیها فلا یهولنك ارجاف المرجفین وزعم الزاعمین ان فی الصحیحین احادیث غیر صحیحة انتهی[۵۳] یعنی صحیحین کی سب حدیثیں صحیح ہیں کوئی ضعیف نہیں، حافظ دارقطنی وغیرہ کا انتقاد اعلیٰ درجے کے معیار صحت کے نقطۂ نظر سے ہے بنفس صحت میں ان کا اختلاف نہیں لہٰذا ایسی غلط بات پھیلانے والوں کے بھرے میں نہ آنا چاہیئے جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں۔

عجیب ستم ظریفی ہے کہ صحیحین کی اہمیت گھٹانے کے لئے تو حافظ دارقطنی وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ان ہی حفاظ حدیث نے اپنی منتقدہ احادیث کے علاوہ حدیثوں کو یقینی صحیح تسلیم کیا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کی یہ بات بھی تسلیم کر کے بحث ختم کر دی جائے۔ آخر یہ حق کسی کو کیسے مل سکتا ہے کہ تین چار صدیوں کے محدثین کی تنقیح و تحقیق کے بعد متفقہ احادیث کو عقائد کے اختلاف، مسلکی، جنبہ داری "ذوق و درایت" اور "مزاج شناسیٔ رسول" کی قینچی لے کر اپنے حسب منشا کترتے چلے جائیں اور کوئی ہاتھ پکڑے تو امام دارقطنی وغیرہ کو پیش کر دیں۔ تلك اذاً قسمة ضيزى۔

۱۲- علامہ ابن الصلاح کے اس اشارے کی مناسب مقام تفصیل بھی عرض ہے جس کا اوپر ذکر آیا ہے کہ صحیحین کے احرف یسیرہ (چند الفاظ) قطعیت صحت سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حافظ دارقطنی وغیرہ کی تنقید کی وجہ سے ان کی صحت اعلیٰ درجے کی نہیں رہی" — ! واضح رہے کہ صحیح بخاری کی وہ احادیث جو کتاب کا اصل موضوع ہیں[۵۴]۔ ان کی تعداد — حسب تصریح حافظ ابن حجر[۵۵] — تقریباً آٹھ ہزار اور کم و بیش اتنی ہی — بقول بعض حفاظ حدیث[۵۶] — صحیح مسلم کی حدیثوں کی ہے ان میں سے امام دارقطنی کا انتقاد بیس مشترکہ احادیث اور اول الذکر کی تقریباً اسی اور صحیح مسلم کی تقریباً سو حدیثوں پر دائر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام روایات کے صحیح ہونے میں وہ بھی شیخین سے متفق ہیں[۵۷]۔ ہاں! امام ابن تیمیہ نے بعض متون کے درمیانی ٹکڑوں پر بعض حفاظ کے حکم وہم کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "وہ کل بیس جگہ ہے لیکن امام بخاری نے اپنے انداز خاص سے محفوظ و غیر محفوظ کو چھانٹ دیا ہے اور امام مسلم نے ایسا نہیں کیا"۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے کہ ہزارہا کے ذخیرے میں سے دس بیس جگہ کسی راوی سے بعض الفاظ میں اگر وہم صادر ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں نہ ہی اس سے بدکنا چاہیئے اور نہ ہی صحیحین سے اس کی صحیحین کی استنادی پوزیشن پر اثر پڑتا ہے چنانچہ امام موصوف ان چند مواضع اوہام اور ان کی صحیح حیثیت ذکر کرنے

---

۵۱ الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم ص ۹۷ ج ۱ ۵۲ دراسات اللبیب ص ۲۴۳ طبع کراچی ۵۳ حاشیہ الباعث الحثیث ص ۲۴ ثانی مصری ۵۴ صحیح بخاری کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننه وایامه ۱ مقدمہ الفتح ص ۵ ج ۱ ۵۵ مقدمہ الفتح

ص ۴۸۷ ج ۲ و توجیہ النظر ص ۹۴ ۵۶ تدریب الراوی ص ۳۰ ۵۷ مقدمہ الفتح ص ۳۸۱ ج ۲ و تدریب ۴۳ ۵۸ منہاج السنہ ص ۵۹ ج ۴

کے بعد لکھتے ہیں۔ وفی الجملة من نقدنا سبعة آلاف درهم فلم يروج فيها الا دراهم يسيرة ومع هذا فهي مغيرة ليست مغشوشة محضة فهذا امام في صنعته والكتابان سبعة آلاف حديث وكسراه[1] اس کی وجہ کی طرف آپ نے دوسرے مقام پر اشارہ کیا ہے کہ ان ٹکڑوں کی حیثیت ضمنی سی ہوتی ہے جس مقصد کے لئے وہ پوری حدیث لائی جاتی ہے اس لحاظ سے من حیث المجموع وہ حدیث صحیح ہوتی ہے چنانچہ لکھتے ہیں واما الخطاء فلا يعصم من الاقرار عليه الا نبي لكن اهل الحديث يعلمون ان مثل الزهري والثوري ومالك ونحوهم من اقل الناس غلطا في اشياء خفيفة لا تقدح في مقصود الحديث ويعرفون رجالا دون هؤلاء يغلطون احيانا والغالب عليهم الحفظ والضبط ولهم دلائل يستدلون بها على غلط الغالط انتهى[1] - اس تفصیل سے وہ سب غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو ناواقفوں کو ایسے منزلۃ الاقدام مواقع پر ہو گئی ہیں و للتفصیل موضع آخر۔

ملحوظہ۔ واضح رہے متن سے مراد روایت کا وہ حصہ ہے جس پر سند ختم ہوتی ہے کما قال ابن جماعة هو غاية ما ينتهي اليه غاية السند من الكلام[2]

۱۳۔ یاد رہے امام دارقطنی کا انتقاد بھی متون کی تضعیف کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کی سندوں پر فن حدیث کی حیثیت سے ہے یعنی انہوں نے بعض متون کے بہت سے طرق پر نظر کرتے ہوئے امام بخاری یا امام مسلم یا دونوں سے اختلاف کیا اور کہا کہ فلاں سند یوں نہیں یوں ہونی چاہیے تھی۔ مثلاً کوئی حدیث صحیحین میں موصول روایت ہوئی ہے۔ مگر دوسرے طرق پر نظر کرتے ہوئے امام دارقطنی کہیں گے کہ راویوں کے صفات و تعداد کے اعتبار سے موقوف راجح ہے یا مثلاً صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایک راوی سے مروی ہے مگر دوسرے طرق پر نظر کرتے ہوئے امام دارقطنی کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ روایتی حیثیت سے دوسرے کسی راوی سے زیادہ درست ہے۔ امام بخاری کو چاہیے تھا کہ اس طریق کو اختیار کرتے وقس علی هذا علامہ محمد منیر دمشقی لکھتے ہیں انتقد الامام الدارقطني المتوفى ۳۸۵ وغيره من النقاد احاديث في الصحيحين اخلا فيها بشرطهما ويرجع وجه الانتقاد الى اختلاف الرواة في رجال الاسناد زيادة ونقصا او تغيير البعض الرجال او انفرد بعضهم بزيادة في المتن عمن هو اكثر او اضبط او تفرد من ضعف الى غير ذلك[3]

ان سب صورتوں کی تفصیل ان کی مثالوں سمیت حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (ص ۸۱ - ۱۱۰ ج ۲) علامہ سیوطی نے تدریب الراوی (ص ۴۳ - ۵۴) علامہ محمد بن ابراہیم نے الروض الباسم (ص ۷۹ - ۸۴ ج ۱) نے کی ہے۔ علامہ یحیی عامری یمنی ان استدراکات کے متعلق لکھتے ہیں وذلك مثل ان يرفع الحديث بعض الرواة ويقفه الاكثرون او يسنده ويرسلوه او يختص بزيادة ولا يرا فقوه او يخرجا ممن اختلف في توثيقه ومنه ما حمل على الوهم منهما او من النقلة عنهما تارة في المتن وتارة في الاسناد[4]

پھر ان اعتراضات واستدراکات کے جواب میں محدثین نے امام بخاری و امام مسلم کی طرف سے دیئے ہیں اور عموماً ان میں کامیاب ہیں کہ اس اختلاف رائے میں فن کے اعتبار سے بھی حافظ دارقطنی کے مقابلے میں شیخین ہی کی رائے درست ہے۔[5]

مولانا انور شاہ لکھتے ہیں ان الدارقطني تتبع على البخاري في ازيد من مائة موضع ولم يستطع ان يتكلم الا في الاسانيد بالوصل والارسال غير موضع واحد وهو اذا جاء احدكم والامام يخطب فليصل ركعتين وليتجوز فيهما

---

[1] منہاج ص ۱۱۲ ج ۳ [2] قواعد التحدیث ص ۱۸۷ [3] الوزج فی الاعمال الخیریہ ص ۸۷۶ [4] الریاض المستطابہ ص ۷۹

فانہ تکلم فیہ بحال المتن، ووجہ ان الدارقطنی یمشی علی القواعد الممہدۃ عندھم فیناز عہ من القواعد (؟) وشان البخاری ارفع من ذلک فانہ یمشی علی اجتہادہ وینظر الی خصوص المقام وشہادۃ الوجدان وانما القواعد لخیر الممارس ورتبتہما اعلیٰ من کل لہذا خلاف کثیر بینہما[1] یعنی امام دارقطنی کے اعتراضات سب سندوں پر ہیں صرف ایک ہی متن پر تنقید ہے اور وہ متن جمعہ کے خطبہ میں نماز پڑھنے کے حکم سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی کے اعتراض قواعد مصطلحہ کی بنا پر ہیں۔ اور امام بخاری کا مجتہدانہ انداز ہے۔ وہ اصطلاحات کے ساتھ اور بھی بہت سی ضروری چیزیں سامنے رکھتے ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حدیث متعلق جمعہ پر استدراک بھی سند ہی سے متعلق ہے تفصیل جس کی یہ ہے کہ امام بخاری شعبة حدثنا عمرو قال سمعت جابرا[2] سے وہ حدیث لائے ہیں مگر عمرو سے دوسرے شاگرد حماد، ابن عیینہ، ابن جریج، ایوب، ورقاء حبیب اس کو یوں روایت کرتے ہیں۔ ان رجلا دخل المسجد فقال لہ اصلیت قال قم فصل رکعتین[3] اسی جگہ قولی روایت کرنے میں شعبہ منفرد ہے مگر اس کے چار ساتھی قولی کے بجائے اپنے استاذ سے ایک قصہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حافظ دارقطنی کا کہنا ہے کہ کثرت کو ترجیح ہونے کی وجہ سے شعبہ کی روایت امام بخاری کے معیار کی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر امام صاحب کی طرف سے جواب میں فرماتے ہیں کہ روایتیں دو ہیں اور عین ممکن ہے کہ عمرو نے دونوں بیان کی ہوں اس پر قرینہ یہ ہے کہ عمرو کے ایک اور شاگرد روح بن القاسم نے بھی شعبہ کی متابعت کی ہے (لہذا دارقطنی کا اعتراض درست نہیں)[4]

فنی قسم کے اس اعتراض کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے۔

دیکھیے اس اعتراض کی وجہ سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑا (یوں خاص ذہن رکھ کر تو آدمی جو چاہے بنا سکتا ہے) صرف فنی تحقیق ہی کے دو پہلو ہو گئے جس سے مسئلہ کی زیادہ واضح صورت سامنے آگئی فللہ درھم ما اعمق علمھم وما ادق نظرھم

(۴) احادیث صحیحین پر تنقید کو بلحاظ زمانے کے دو حصوں پر پرکھنا چاہیئے

(الف) دور تدوین (دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک)

استقراء سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں صحیحین پر تنقید بحیثیت فن حدیث ہی ہوتی رہی خارجی تاثرات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوا ایسی تعمیری تنقید کا اہل حدیث نے ہمیشہ خیر مقدم کیا ہے کیونکہ اس سے فن میں ترقی ہوئی تحقیق نے جلا پائی۔ کئی مسائل منقح ہو گئے لیکن حدیث پاک کا اعجاز ہے کہ بحث و تمحیص کے بعد نتیجۃً سب علمائے حدیث و سنت ان دونوں مبارک کتابوں کی اصحیت پر متفق ہو گئے قال النووی اتفق العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ علی ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری ومسلم وتلقتہما الامۃ بالقبول[5]

(ب) دور تدوین کے بعد سے جو تقریباً وسط پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے پر شور و فتن دور تک — دور تدوین کے بعد کی تنقیدیں دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ عام طور بحیثیت تحقیق فن حدیث نہیں بلکہ — شعوری یا غیر شعوری طور پر — بعض واقعی یا موہومی تاثرات کے تحت ہیں اور وہ بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہیں۔

ایسے ناقدین ایک نظریہ طے کرتے یا کسی اعتراض سے متاثر ہوتے ہیں یا کسی فرقے کی تائید ان کو کرنی ہوتی ہے یا کسی "عصری تحقیق" سے ان پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی حدیث ان کے طے کردہ طریق سے متصادم ہوتی نظر آتی ہو گو وہ صحیحین کی کیوں نہ ہو تو وہ اس صورت حال سے پریشان ہو کر صحیحین اس حدیث کو ہدف تنقید بناتے اور دانستہ یا نادانستہ خالص فنی قسم کے انتقاد کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں لیکن ظاہر ہے حدیث پاک کی صحت کو جانچنے کے لئے محدثین نے خود اصول طے کر دیئے ہیں مگر ان اصول میں ان لوگوں کو جب گنجائش نہیں ملتی تو ہر فرقہ اور ہر ناقد اپنے حسب حال ایک معیار صحت

---

[1] مقدمہ فیض الباری ص ۵۷ ایضاً ص ۳۴۳ ج ۲ [2] صحیح بخاری مع الفتح ص ۴۱۶ ج ۱ باب ما جاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ [3] صحیح بخاری طبع انصاری مع الفتح ص ۵۰۲ ج ۱ [4] مقدمہ الفتح ص ۸۸ ج ۲ - [5] مقدمہ شرح صحیح مسلم ص ۱۴ طبع دہلی)

تجویز کرتا ہے اور پھر اس کی روشنی میں صحیحین کی یقینی حدیثوں کو مطعون ٹھہرانا اپنا مشغلہ بنا لیتا ہے یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھو من عند اللہ! مثلاً غالی صوفی "کشف والہام" کی عینک سے حدیث کو دیکھتے ہیں متکلمین اپنی "عقل" کی کسوٹی پر رکھتے ہیں معتزلہ کا معیار صحت اپنا ہے تو شیعہ و خوارج کا اپنا۔ جامد مقلد "قیاس" اور موافقت امام کو معیار صحت گردانتے ہیں یعنی اپنی اپنی ڈفلی! اپنا اپنا راگ — یہ تو حال تھا پرانے فرقوں کا — اور نئے دور میں معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ مصر، ہند و پاک کے یہ نقاد مغرب کے ملحد مستشرقین کی "تحقیقات نادرہ" پر لٹو ہو گئے۔ سرسید احمد علی گڑھی نے "نیچر" درآمد کی اور اس کے مخالف ہر حدیث کے انکار کی ٹھانی۔ پرویز صاحب نے "قوانین فطرت" کا پیمانہ گھڑ لیا اور ہر حدیث کو اس سے ناپنا شروع کر دیا۔ مرزائیوں نے مخالفت قرآن کے بہانے بہت سی صحیح حدیثوں سے گلو خلاصی کرالی۔ (حالانکہ یہ ایک مفروضہ ہے کوئی صحیحین کی حدیث قرآن حکیم کے مخالف ہو ہی نہیں سکتی) لاہور کی ثقافت پارٹی .... نے خلیفہ عبدالحکیم کی قیادت میں "ارتقاء" کی آڑ لے کر انکار حدیث کے علاوہ نصوص قرآنی کی بھی مرمت و تحریف شروع کر دی ہے — جماعت اسلامی نے مودودی صاحب کی تقلید میں درایت اور مزاج شناسی رسول کی درانتی صحیح بخاری کی حدیثوں پر چلا دی ہے۔ بعض لوگ مشاہدات سائنس و تجربات طب پر ایمان لا کر بخاری و مسلم کی تحقیق کو مجروح کرتے ہیں غرض

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

جس شخص کی طبع نازک پر کوئی حدیث گراں گذری اپنے مزعومہ "ریسرچ" کے خلاف پا کر اسے مردود قرار دے دیتا ہے

یہ ہے ذہنی انتشار، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو صحیحین کی سب ہی حدیثیں مشکوک ٹھہرتی ہیں اور آئمہ حدیث وسنت کا اتفاق و اجماع دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ اس انتشار و اضطراب سے بچانے اور ایک ضابطہ کے تحت رکھنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ دور تدوین کے بعد تنقید احادیث صحیحین کی نہ اجازت دی جائے نہ اسے تسلیم کیا جائے لسقوط ہمتھم وضعف اھلیتھم کما ھو رأی بعض المحققین واما الامکان فقال علی القاری ان الامکان امر عقلی ومنعہ امر عادی[1]۔ ولقد قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (۴ : ۱۱۵)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۴۴ ج ۱